☆ڈاکٹر محمد کامران شہزاد / ☆☆ڈاکٹر نعیمہ بی بی / ☆☆☆حفصہ ثانیہ

پاپولر فکشن میں تصوف کی پیش کش: تنقیدی مطالعہ

The Presentation of mysticism in poplur fiction. A Critical study

Abstract:

Mysticism is an ancient term, which is not only a collection of spiritual and inner values, but also the name of sincerity and kindness in intellectual, social and cultural aspects. Mysticism is the source of the relationship between the Creator and the creatures to create the universe, which researchers and scholars have divided into the theory of unity of existence and the theory of unity of witness, respectively. Due to these ideas, Mysticism established far-reaching affirmations on Urdu language and literature. In this context Urdu and Persian poets made different topics of Mysticism (contentment, trust, negation, selfishness, coercion and authority, real knowledge of intuition) as the main theme in his poetry. Later, in Urdu prose, especially in Urdu novels, novelists made Mysticism the main and secondary theme through the dialogues of the characters. In this paper, various themes of Mysticism have been covered in these Urdu novels, which we keep in the category of popular literature or novels. These include Aleem-ul-Haq Haqqi's "Ishq Ka Sen" and Hashim Nadeem's "Khuda aur Muhabat". A study of these novels suggests that their themes are purely religious in nature and the facts of life are presented in a rich manner in the guise of Mysticism

☆وزٹنگ لیکچرار شعبۂ اُردو (یونیورسٹی آف سرگودھا)
☆☆ٹیچنگ اینڈ ریسرچ ایسوسی ایٹ شعبۂ اُردو (بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد) ☆☆☆پی ایچ ڈی سکالر، خواتین یونیورسٹی، ملتان

Key Words: Mysticism, Poplur fiction, Novel, Aleem-ul-Haq Haqqi, Hashim Nadeem

پاپولر فکشن کو اُردو میں مقبول عام ادب کی اصطلاح سے پہچانا جاتا ہے۔ تاہم اس کے لیے ایک سے زائد نام موجود رہے ہیں۔ اسے ہلکا پھلکا ادب یعنی Light Literature لائٹ لٹریچر بھی کہا جاتا ہے۔ مغرب میں اسے فٹ پاتھ کا ادب بھی کہا جاتا ہے۔ (1) اُردو میں پاپولر ادب کو خاصی پذیرائی حاصل ہو چکی ہے۔ اس ادب کو تحریر کرنے کا بنیادی مقصد قاری کے دل اور ذہن کو وقتی طور پر بہلانا ہے۔

پاپولر ادب کو ناقدین ادب محض ادب برائے ادب کے خانے میں رکھتے ہیں، جس کا مقصد قاری کو وقتی طور پر لطف اندوز کرنا ہوتا ہے لیکن پاپولر فکشن کے قارئین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ محقق اور نقاد پاپولر ادب کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے لیکن اس ادب کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، جب ناول افسانہ کی بات ہوتو ہمارے ذہن میں سنجیدہ یا اعلیٰ ادب کا خیال آتا ہے، جو مقبول عام فکشن سے ہٹ کر ہے۔ اعلیٰ ادب میں نظریہ تحریک اور عظیم خیال موجود ہوتا ہے علاوہ عظیم اس کی زبان اسلوب اظہار خیال اور مضمون آفرینی بھی مقبول عام ادب سے ہٹ کر ہوتی ہے۔ اعلیٰ ادب معنی در معنی تہہ دار اور وسیع الموضوعاتی ہوتا ہے۔ اس میں بعض اوقات ابہام بھی موجود ہوتا ہے نیز الفاظ کے ظاہر و باطن اور ذو معنویت کو بھی عمل دخل ہے۔ یہاں اشارات، علامتیت اور تہذیبی عناصر وغیرہ بھی موجود ہوتے ہیں۔ پیچیدہ الفاظ کا استعمال متن کی خوبصورتی اعلیٰ اسلوب اور مربوط پلاٹ اس کا خاصہ ہے۔ عام فہم ادب میں لکھاری سادہ سلیس اور رواں عبارت کے ذریعے قاری کو اپنی بات یا خیال منتقل کرتا جاتا ہے۔ خالص اور اعلیٰ ادب کے لکھنے والے اپنی تحریری خوبیوں کی بنا پر الگ معنی اور پہچان رکھتے ہیں۔ ان کی تحریریں ان کی انفرادیت شناخت اور شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

پاپولر فکشن میں جذبات کا دخل زیادہ ہوتا ہے مگر سنجیدہ ادب سوچ فکر اور خیالات کا عکاس بھی ہوتا ہے۔ اعلیٰ ادب اور پاپولر فکشن میں واضح فرق تلاش کیا جا سکتا ہے، جب پاپولر فکشن کے معنی مفہوم کو سمجھا جائے تو مقبول عام ادب کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایسا ادب ہے جو عوام میں زیادہ مقبول ہوتا ہے۔ مقبول عام ادب اپنی چند ایک خصوصیات کی بنا پر منفرد ہے، جو ارادتاً کسی تخلیق میں شامل کر دی جاتی ہیں۔ اس میں ایسی کہانیاں موجود ہوتی ہیں، جو زندگی کے روزمرہ واقعات سے اخذ کی جاتی ہیں۔ مقبول عام ادب کے موضوعات بلاشبہ رومانوی ہوتے ہیں مگر ان میں زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ اسی لیے ان کو پسند بھی کیا جاتا ہے۔

انگریزی زبان میں مقبول عام ادب کے لیے ایک اور لفظ Genre بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد ایسی تصویر یا تحریر ہے، جو روزمرہ زندگی کی عکاسی کرتی ہے۔ مقبول ادب کی اصطلاح دو مقبول الفاظ پاپولر اور فکشن کا مجموعہ ہے۔ مقبول عام ادب کا مطلب یہ ہے کہ جسے عوامی مقبولیت حاصل ہو آکسفورڈ ایڈوانس لرنرز ڈکشنری نے پاپولر کے تین مفہوم بیان کیے ہیں۔ جسے لوگ بہت زیادہ پسند کریں اس کی تعریف کریں اسے لطف اندوز ہوں عام پبلک کے مذاق اور تعلیمی معیار کے مطابق ہو اس میں مقبول عام ناول موسیقی صحافت وغیرہ شامل ہیں۔ جسے بہت زیادہ لوگوں کی تائید حاصل ہو۔ مقبول عام رہنما وغیرہ۔ (2)

پاپولر فکشن ایسا ادب ہے، جس میں عام آدمی کی ذہنی سطح کو مد نظر رکھا جاتا ہے، جس سے زیادہ سے زیادہ افراد محظوظ ہو سکیں ۔مقبول عام ادب پہلے سے موجود اعلیٰ پائے کے ادب سے استفادہ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے اندر نئے رجحانات کا اضافہ بھی کرتا ہے ۔یوں اس کے اندر ایک عمومی کشش پیدا ہوتی ہے تاکہ لوگوں کی وسیع تعداد اس کی طرف راغب ہو سکے ۔مقبول عام ادب میں وہ تحریریں شامل ہوتی ہیں جو عوام کے لیے لکھی جائیں جنھیں قارئین کی وسیع تعداد پسند کرے اور جو عوام ہی سے اخذ کی جائیں۔ ان تحریروں کو ہم ماہرانہ ادب سے اس طرح جدا کرسکتے ہیں کہ یہ بنیادی طور پر تفریح کے لیے لکھی جاتی ہیں۔ مقبول عام ادب میں اعلیٰ ادب کے برعکس ساختی خوبصورتی پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی اور نہ اسے بے مثال بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مقبول عام ادب کے ساتھ میں اضافہ خواندگی میں اضافے کے پہلو بہ پہلو تعلیم کے ذریعے ہوا اور اس میں ادب کے شعبہ میں ہونے والی تکنیکی ترقیوں نے سہولت پیدا کی۔ صنعتی انقلاب کے ساتھ وہ ادبی کام جو پہلے صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ اشرافیہ کی مختصر تعداد کے لیے مخصوص ہوتے تھے۔ عوام کے لیے بھی قابل حصول ہو گئے۔ مقبول عام ادب اور اعلیٰ پائے کے ادب کی درمیانی سرحد کافی حد تک دھندلی ہے اور لکیر کے دونوں طرف آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے، جس میں عوام کی موجودہ ترجیحات اور تنقید بھی جانچ پڑتال اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

پاپولر فکشن میں زبان اور خیالات کی سادگی ہوتی ہے۔ اسے لکھنے والے کا مقصد اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کا اظہار نہیں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ اس کی آواز زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے۔ آج کا قاری مقبول ادب کا مطالعہ نہایت ذوق و شوق سے کرتا ہے۔ پاکستان میں 80 کی دہائی سے قبل مقبول عام ادب کے مصنفین کے یہاں کچھ مشترکہ عناصر نظر آتے ہیں ان میں کہانی کی دلچسپی، شگفتگی، تجسس، معاشرتی گھریلو حالات کا بیان، عشق مجازی اور مرکزی کرداروں پر روایتی تصور نظر آتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حادثاتی طور پر پیش آنے والے واقعات اور کہانی کا رخ اچانک مڑ جانا یا تبدیل ہو جانا یہ تقریباً ان سب کے یہاں ملتا ہے۔ کہانی کے موضوعات زیادہ تر عام اور روزمرہ زندگی سے لیے جاتے ہیں معاشرتی رسوم و رواج اور تہذیب و ثقافت کی رنگین بیانی مقبول عام ادب کی تحریروں میں رنگ بھر دیتی ہے۔ اس ادب میں ابتدا سے لے کر آج تک کوئی واضح فرق نظر نہیں آیا۔ ان کے مرکزی کردار ہمیشہ سلجھے اور باوقار ہوتے ہیں۔ کہانی میں غیر ضروری طوالت اور بے جا جزئیات نگاری سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ مقبول عام ادب کو جہاں پسند کیا جاتا ہے وہاں اس پر کڑی تنقید بھی کی جاتی ہے نقاد اس ادب کی مقبولیت کو چھوڑ کر اس کے فنی محاسن پر بحث کرتے ہیں۔ مقبول عام ادب کا مقابلہ اعلیٰ ادب سے نہیں کرنا چاہیے کہ یہ آپس میں غیر متوازی خطوط پر چلتے ہیں۔ عصر حاضر کے پاپولر فکشن میں تصوف کا سہارا لیا جاتا ہے۔

> "تصوف میں سالک یا مرید کسی کاملیت والے مرشد کی رہنمائی میں راہ طریقت اختیار کرتے ہیں اصطلاح تصوف میں مرشد سے مراد وہ مرد کامل ہے جو اپنی بصیرت سے مرید کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرے۔"(3)

اقتباس میں موجود مرشد وہ شخص ہے، جو اللہ کی تلاش میں راہنمائی کا مشکل فریضہ سرانجام دے۔ سالک مرشد کی اتباع میں ہی اللہ تعالیٰ کے احکامات کے آگے سر جھکاتا ہے۔ اتباع رسول ﷺ اور دین کے دوسرے تقاضے پورے کرتا ہے۔ اپنے نفس کی لذت اور

غلامی کو خیر آباد کہہ کر اللہ کا فرمانبردار بندہ بن جاتا ہے۔ بہت سے متصوفانہ حلقوں میں پیر و مرشد کی اطاعت اللہ کی اطاعت کا دوسرا روپ سمجھا جاتا ہے۔ یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں کہ تزکیہ نفس ایک بہت بڑا فن ہے اور کسی صاحب فن کی نگاہ خاص کی بدولت حاصل ہو سکتا ہے۔ تصوف کی روایت اُردو کے سنجیدہ ادب میں تو ایک تواتر کے ساتھ موجود ہے مگر پاپولر فکشن میں بھی تصوف کے کچھ عناصر ملتے ہیں۔ جن مصنفین نے پاپولر فکشن میں تصوف کو پیش کرنے کی باقاعدہ کوشش کی ان میں علیم الحق حقی، ہاشم ندیم، عمیرہ احمد اور نمرہ احمد شامل ہیں۔ انھوں نے متصوفانہ خیالات کو ادب میں فروغ دیا۔ ان مصنفین نے نہ صرف مقبول عام ادب کی روایت کو آگے بڑھایا بلکہ خود پاپولر فکشن کی صف اول میں بھی شمار ہونے لگے۔ انھوں نے عصر حاضر اور نئے فکری رجحانات کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے ناولوں میں وسعت پیدا کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناول روایت سے ہٹے معلوم ہوتے ہیں۔ عصر حاضر کے ان مقبول لکھاریوں کے ہاں موجودہ عالمی صورت حال اور نظریاتی تبدیلیاں بھی فکشن کا حصہ بنتی نظر آتی ہیں۔ ان کے ناولوں میں مسلمانوں کی عالمی سطح پر بگڑی ہوئی ساکھ، دہشت گردی، اندرونی انتشار، بدامنی، اور پاکستانی سماج کے مسائل بھی ملتے ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود پاپولر فکشن کو مستند ادبی حلقوں میں تاحال پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی۔ اسی وجہ سے انھیں مثبت اور زیادہ تر منفی تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ پاپولر فکشن لکھنے والوں کو تیسرے درجے کا لکھاری کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو یہ پاپولر فکشن عصر حاضر کا معاشرتی تقاضا ہے۔ ہماری موجودہ نوجوان نسل انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع ابلاغ کے غلط استعمال سے جس بے راہ روی کا شکار ہے۔ اس سے بچنے کے لیے ایک آسان طریقہ یہ ناول ہیں جنھوں نے مذہبی خیالات کو فکشن کے لبادے میں پیش کیا۔ ان ناولوں میں دین کے مثبت تصور سے بھرپور کہانیوں نے نوجوان نسل کو ذہنی خلفشار سے بچنے میں امداد مہیا کی ہے۔ ان ناولوں کے بنیادی کرداروں نے مذہب اور تصوف کا راستہ اطمینان سے منتخب کیا ہے۔ پاپولر فکشن میں تصوف کی پیش کش نے پچھلے چند سالوں میں خاصی مقبولیت حاصل کی ہے ان ناولوں سے نوجوان نسل کی ذہنی آبیاری بھی کی گئی اور انھیں اپنی درست سمت متعین کرنے میں مدد بھی دی۔

علیم الحق حقی کا ناول "عشق کا شین" اپنے اندر بہت سے متصوفانہ عناصر رکھتا ہے۔ یہ ناول چھے حصوں میں منقسم ہے۔ ناول کا مرکزی کردار پہلے ہندو تھا، جس کا نام اوتار سنگھ تھا۔ بعد ازاں جب وہ اسلام قبول کر لیتا ہے تو اسے عبد الحق کا نام دیا جاتا ہے۔ زمان و مکان کے لحاظ سے یہ کہانی قیام پاکستان سے بعد کی دو دہائیوں کو محیط ہے۔ ناول کا کینوس بہت وسیع ہے۔ یہ مشرک ٹھاکروں کے گھر پیدا ہونے والے بچے کے تالیف قلب کی کہانی ہے۔ اس ناول میں ایک پیدائشی مشرک کی تلاش حق کے واقعات کو تصوف میں ملفوف کر کے پیش کیا گیا ہے۔ یہ کردار اوتار سنگھ کے نام سے ناول میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی پیدائش سے ناول کی کہانی کا آغاز ہوتا ہے۔ جہاں اس کی پیدائش سے ہی غیر معمولی واقعات رونما ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب وہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی حالت ختنہ شدہ ہوتی ہے۔ وہ اپنی ہندو ماں کا دودھ نہیں پیتا جب تک ایک مسلمان عورت حمیدہ اس کو اپنا دودھ نہیں پلا دیتی، جب وہ تھوڑا بڑا ہوتا ہے اور اپنی ماں کو پتھری مورتیوں کے سامنے جھکا دیکھتا ہے تو اسے عجیب محسوس ہوتا ہے۔ وہ اس سب کے بارے میں سوال کرتا ہے مگر کوئی جواب اسے مطمئن نہیں کرتا۔ وہ مسلسل حق اور سچائی کے بارے میں سوچتا رہتا ہے۔ یوں اس کردار کے ابتدائی اوصاف کے ذریعے ہی اسے غیر معمولی کردار بنا کر پیش کیا گیا ہے۔

اوتار سنگھ کی فطرت میں جو تجسس ہے اس کا مداوا تصوف ہی کر سکتا ہے۔ وہ اپنے ماسٹر کانتی پر شاد سے مسلسل سوال کرتا ہے جن کا تعلق اسلام اور سائنس سے ہے۔ وہ اکثر سوچتا کہ زمین کس نے بنائی؟ اس کی اشیا کہاں سے آئی ہیں؟ اس کائنات کا نظام کیسے خود چل رہا ہے۔ ماسٹر اسے جتنے جواب مہیا کرتا وہ ان سب سے مطمئن ہونے کے بجائے مزید الجھن میں مبتلا ہو جاتا۔ اوتار سنگھ کو مظاہر فطرت سے بہت دلچسپی تھی۔ اس کی ساری دلچسپی اور تجسس اس وقت عروج پر پہنچتا ہے، جب وہ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے دہلی شہر آتا ہے جہاں وہ رہائش اختیار کرتا ہے وہاں کے مالک کی بیٹی نور بانو قرآن کی اونچی آواز میں تلاوت کرتی ہے، جو اوتار سنگھ کے دل میں اتر جاتی ہے۔ وہ ان الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے مگر سمجھ نہیں پاتا اسی لیے وہ عربی زبان سیکھنے کا تہیہ کرتا ہے۔ عربی ہی کی وجہ سے وہ کلمہ طیبہ کے معنی و مفہوم سے آگاہ ہوتا ہے۔ ایک دن "سورہ ملک" سن کر وہ ایمان لے آتا ہے۔ یوں نور بانو کی تلاوت اس کی ہدایت کا سبب بن جاتی ہے۔

اوتار سنگھ دہلی میں رہتے ہوئے تقابل ادیان کرتا ہے۔ اپنے کلاس فیلو رچرڈ سے وہ عیسائی مذہب کی معلومات لیتا ہے۔ اپنے دوست محمود سے اسلام کی معلومات جمع کرتا ہے اور مختلف مذاہب کا مطالعہ جاری رکھتا ہے۔ امتحانات سے فراغت کے بعد وہ جب واپس آنے گاؤں جانے لگتا ہے تو راستے میں جے پور گاؤں میں میلہ دیکھنے رک جاتا ہے۔ وہاں ایک مندر میں بت دیکھ کر اس کے دل میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ان بتوں کو ختم کر دے چنانچہ وہ منصوبہ بندی سے سب بت توڑ دیتا ہے۔ اس واقعہ کے بعد کچھ سرکش ہندو اس کے گاؤں پر حملہ کر کے سب تاراج کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا باپ بھی مر جاتا ہے۔ جو کہ اس وقت تک مسلمان ہو چکا ہوتا ہے اس لیے باپ کی وصیت کے مطابق وہ اسے جلانے کے بجائے دفن کر دیتا ہے۔ پھر اچانک اس کے گاؤں میں لال آندھی کا طوفان آتا ہے، جس سے ارد گرد کے گیارہ دیہات تباہ ہو جاتے ہیں۔ معجزاتی طور پر وہ حمیدہ بچ جاتی ہے، جس نے بچپن میں اوتار سنگھ کو اپنا دودھ پلایا تھا۔ مگر آندھی کے گرد و غبار کی وجہ سے حمیدہ اندھی ہو جاتی ہے۔ عبدالحق اس کا علاج کراتا ہے تو اس کی آنکھوں کی بینائی لوٹ آتی ہے اور پھر وہ تمام عمر حمیدہ کے ساتھ رہتا ہے، جب وہ اسلام قبول کر لیتا ہے تب اس ناول میں تصوف کے عناصر سامنے آتے ہیں۔ عبدالحق نے مسلمان ہونے کے بعد قرآن کی تعلیمات کو قبول کیا۔ اس نے ہر حال میں صبر اور شکر سیکھا۔ اس کے کردار کو بہت سے متصوفانہ عناصر سے مزین دکھایا گیا ہے۔ اسے اپنی زندگی میں مال، متاع، جاہ و حشمت کی چاہ نہیں۔ وہ بے غرض ہو کر کائنات میں تمام لوگوں کی مدد کر رہا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد جب وہ اپنے گاؤں کی تعمیر نئے سرے سے کرتا ہے تو اس کے پاس بہت مال و دولت ہوتی ہے اس لیے وہ مہاجرین کے لیے گھروں کی تعمیر کرتا ہے انھیں مالی و معاشی معاونت فراہم کرتا ہے۔ علاقے میں صاف پانی کے لیے خود عملی کوششیں کرتا رہا یہاں تک کہ لاہور کے بازار حسن سے زرینہ نامی لڑکی کو آزاد کرا کر اسے اپنی سگی بہنوں جیسی تکریم دیتا ہے۔ دراصل عبدالحق کا کردار شروع سے تصوف اور اس کے نظریات پر تعمیر کیا گیا ہے چنانچہ اکثر عبدالحق اپنے اساتذہ سے کچھ نہ کچھ سوال کرتا ہے ایسے ہی کسی ایک سوال کے جواب میں استاد نے کہا تھا:

> "یہ تصوف کی اصطلاح ہے، عشق حقیقی سے تعلق ہے اس کا۔ اس کے استاد نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ دیکھو جو بندہ اپنے رب سے اور اس کے رسول ﷺ سے عشق کرتا ہے

اس کے لیے یہ زندگی، دنیا میں یہ قیام در حقیقت ہجر ہے اور موت اس کے لیے موت
نہیں اپنے محبوب کے لیے وصل ہے وہ رب سے جا ملتا ہے۔"(4)

عبد الحق جدی پشتی امیر تھا۔ اس کے آبا و اجداد زمین دار تھے۔ ان کے پاس بے تحاشا جائیدادیں تھیں مگر اس کے اندر کبھی جاگیر دار لوگوں جیسے خصائص پیدا نہ ہو سکے۔ اس نے کبھی کسی کا استحصال نہیں کیا۔ بچپن سے لے کر جوانی تک یہ اپنی دولت کا مثبت استعمال کرتا اور اسے تعمیری کاموں میں صرف کرتا رہا۔ اپنی دولت سے ہمیشہ دوسروں کی مدد کرتا رہا قیام پاکستان کے بعد اپنی جاگیر مہاجروں میں ترکہ ترکہ تقسیم کر دی۔ بغیر کسی لالچ اور طمع کے ان کو سہولیات میسر کیں اپنے علاقے کے فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ہمیشہ غریبوں اور مسکینوں کی مدد کی کراچی میں بھی قیام کے دوران دس بارہ خاندانوں کی اکیلے کفالت کرتا رہا۔ زکوٰۃ کی طرف خاص توجہ دی۔ یعنی یہ کردار تصوف کے اس وصف سے معمور ہے کہ انسانیت کی خدمت ہی دراصل معاشرے کی خدمت ہے انسان یہ سب تب سیکھتا ہے، جب وہ اپنی انا کو ختم کر دے اور خدمت خلق کا تہیہ کر لے۔ ایک صوفی آدمی کے لیے تمام افراد برابر ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق کسی بھی رنگ نسل یا خطے سے نہیں ہوتا۔ صوفی سب کو برابر مرتبہ دیتا ہے۔ ناول میں عبد الحق کے کردار کی یہ صوفیانہ خوبی بھی سامنے آتی ہے کہ جب اس کا ملازم رگھو اسلام قبول کر لیتا ہے اور زبیر نام پاتا ہے تو عبد الحق اسے ہمیشہ زبیر بھائی کے نام سے ہی مخاطب کرتا ہے۔ عبد الحق سرکاری ملازمت کے دوران بھی اپنے ماتحتوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرتا ہے۔ وہ بڑے عہدے پر فائز ہونے کے باوجود رشوت اور بدعنوانی سے دور رہتا ہے۔ تصوف کی تعلیم انسان کو انسانیت کے ساتھ ساتھ ایمان داری کی تلقین بھی کرتی ہے۔ اس طرح ناول میں کئی ایک مقام پر تصوف کے عناصر ہمارے سامنے آتے ہیں۔

عبد الحق جب حقیقت میں اسلام کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے جان لیا کہ جب کوئی اللہ کے قرب کا خواہش مند ہوتا ہے تو اسے لازمی طور پر اتباع رسول ﷺ کرنا پڑتی ہے اس لیے وہ ذوق و شوق سے سیرت طیبہ کا مطالعہ شروع کر دیتا ہے۔ اب اس کے دل میں حضورؐ سے بے پناہ محبت جمع ہو جاتی ہے۔ وہ جب طائف کا واقعہ پڑھتا، جس میں حضور ﷺ کو پتھروں سے لہولہان کیا گیا اور آپؐ نے شدید اذیت اور دکھ اٹھایا تو اس واقعہ کے اثر سے عبد الحق رونا شروع کر دیتا اور اس کی ہچکیاں بندھ جاتیں۔ حضور ﷺ جو اللہ کے محبوب ہیں، جس کے ایک اشارے پر احد کا پہاڑ سونے میں بدل جاتا اور ان کے دن پھر جاتے مگر وہ پیٹ پر پتھر باندھے جہاد کرتے۔ انھی واقعات کی وجہ سے عبد الحق بھی صوفیانہ طرز زندگی کی جانب آتا ہے۔ وہ صاحب مال ہونے کی حیثیت سے اپنے گاؤں میں قرآن و سنت کی تبلیغ کا اہتمام کرتا ہے مولوی مہر علی کے توسط سے وہ قرآن فہمی کی جانب بھی لوگوں کو متوجہ کرتا ہے۔ قرآن فہمی کے بہت سے حوالے ناول میں ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر مولوی نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یاد رکھو اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے اللہ نے قرآن نازل کیا تم لوگ بہت خوش نصیب ہو کہ اللہ نے نزول قرآن کے مہینے میں تم سب لوگوں کو ہدایت بخشی وہ مزید کہتا ہے کہ

قرآن کی ایک ایک آیت میں ہزار ہزار حکمتیں ہیں۔ اللہ ہی چاہے تو بندہ سمجھے ورنہ یہ
ناممکن ہے سو قرآن کو ہدایت کی نیت سے پڑھو۔ حضور پاک ﷺ نے پوری زندگی قرآن

کے احکامات کے تحت گزاری سیرت پاک کو پڑھتے رہو اور پیروی کرتے رہو تو سمجھ لو کہ
تم قرآن پر عمل کر رہے ہو۔(5)

ناول میں ایک مصوفی مجذوب کا کردار تصوف کے بہت عناصر رکھتا ہے وہ بار بار رہنمائی کا فریضہ سر انجام دے رہا ہے۔ اللہ کا قرب اور معرفت حاصل کرنے کے لیے عبد الحق کو جن مراحل سے گزرنا پڑا یا اسے جب بھی ہدایت و رہنمائی درکار ہوتی تو یہی بزرگ اس کا ساتھ دیتے۔ عبد الحق کو معرفت کی راہ میں پیش آنے والی بہت سی مشکلات کا حل ان بزرگوں سے ملا۔ ایک کردار مولوی مہر علی کا ہے جو ویسے تو ضمنی کردار ہے مگر ناول میں تصوف کی بہت سی جہات اس کردار کے توسط سے سامنے آتی ہیں۔ مثال کے طور پر عبد الحق نو مسلم تھا دین اسلام سے محبت رکھنے کے باوجود اسے کامل رہنما کی تلاش تھی، جو اس کے مشکلات کو حل کرنے میں مدد دے۔ اس لحاظ سے مولوی مہر علی ہی اس کی ہر ممکن مدد کرتا اور اس کے سوالات کے جوابات فراہم کرتا۔ ان کی اپنی زندگی خالصتاً ایک صوفی کی زندگی ہے۔ انھوں نے اپنی جوانی کے ایام مسجد میں ایک امام کی حیثیت سے گزارے جہاں یہ روزانہ لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ سر انجام دیتے۔ وہ کبھی عیش و عشرت میں نہیں پڑے بلکہ انھوں نے ساری عمر دین کے لیے وقف کر دی۔ وہ عبد الحق کو اللہ کے معبود برحق ہونے کا یقین دلاتے ہیں۔ اللہ سے محبت کرنے پر کیسے کیسے انعامات و اکرامات ملتے ہیں اور اللہ کا مقرب بندہ کیس بنا جا سکتا ہے۔ وہ ان سب باتوں کی جانب عبد الحق کی رہنمائی کرتا ہے۔ مولوی صاحب ایک مرتبہ عبد الحق کو کہتے ہیں۔

"گناہوں کے نتیجے میں دل پر ایک سیاہ نقطہ نمودار ہوتا ہے اور آدمی مسلسل گناہ کرتا رہے
تو وہ نقطہ پھیلتے پھیلتے پورے دل پر محیط ہو جاتا ہے پھر اس دل پر مہر لگ جاتی ہے اس تک
صحیح بات بھی نہیں پہنچتی۔ الّا یہ کہ اللہ چاہیے۔"(6)

اس ناول کے تمام صوفی کردار کہیں نہ کہیں عبد الحق کی زندگی سے وابستہ نظر آتے ہیں۔ متعدد ایسے کردار بھی ہیں جیسے پیر بابا کا کردار، جن کے پاس حمیدہ دعا کروانے جاتی ہے اور وہ کشف و کرامات سے حمیدہ کے دل کا احوال جان لیتے ہیں۔ اس کردار کے علاوہ سارے کردار جو ہیں وہ عبد الحق کی زندگی سے ہی جڑے ہوئے ہیں۔ ان سب کرداروں کے ذریعے مصنف نے قارئین کو اللہ کے جانب متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ تصوف کی بنیاد ہی اصل میں خالق حقیقی اور اللہ تعالی کی تلاش اور محبت ہے ہر انسان اللہ کے قرب سے کسی نہ کسی درجے پر پہنچتا ہے۔ انسان کے لیے یہ بات ضروری نہیں ہے کہ وہ دنیا سے تعلق منقطع کرلے بلکہ وہ دنیا کے اندر رہتے ہوئے ہی اللہ کی تلاش جاری رکھ سکتا ہے یہی اس ناول کا بنیادی مقصد ہے جس کو پیش کرتے ہوئے مصنف نے اس ناول کے اندر اپنے کرداروں کو تصوف کے لبادے میں ملفوف کر کے پیش کیا ہے۔

ہاشم ندیم کو پاپولر فکشن کے حوالے سے حکومتی اعزاز سے نوازا گیا۔ بہت سے پاپولر فکشن لکھنے والوں میں ان کا الگ مرتبہ موجود ہے۔ " خدا اور محبت " ایک ایسی کہانی ہے جس میں قاری مصنف کے ساتھ ساتھ ماضی حال اور مستقبل میں سفر کرتا ہے۔ اس کی ناول کی کہانی کا کمال یہ ہے یہ قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے کیونکہ اس میں انہوں نے کرداروں کی نفسیات کو عام قاری کی نفسیات کے ساتھ ہم

آہنگ کر کے پیش کیا ہے۔ ناول میں تجسس کے عنصر کو برقرار رکھا ہے اور قاری آخر وقت تک ناول کے بارے میں سوچتا رہتا ہے اب آگے کیا ہوگا؟؟؟؟ بظاہر یہ عشق کی داستان نظر آتی ہے مگر بغور دیکھا جائے تو یہ ہیرو کا عشق مجازی سے عشق حقیقی کا سفر ہے۔ جسے خدا اور محبت کہا گیا ہے۔ ناول کی کہانی میں ہالوکاسٹ نظریہ پر مباحث موجود ہیں۔ ناول کی کہانی میں ہیرو کا ماضی اور حال ظاہر کیا گیا ہے۔

ناول کی کہانی ایک یہودی لڑکی کے دین اسلام کی طرف مائل ہونے کی جانب پیش رفت ہے، جب وہ اسلام قبول کر لیتی ہے۔ ناول کا ہیرو حماد امجد رضا ہے، جو ابتدا میں ایک لاابالی نوجوان کے طور پر سامنے آتا ہے۔ جس کا باپ کمشنر ریٹائرڈ ہے اور اس کا تعلق ملک کی ایلیٹ کلاس سے ہے۔ ان کے گھر میں مذہب کی حیثیت بس اتنی سی ہے کہ بچپن میں قرآن پڑھا دیا، نماز سکھا دی، مگر عملی طور پر شاید عیدین کے موقع پر نماز ادا کی یا وہ بھی نہیں۔ بس اسلام کے فرض پورے ہو گئے۔ یعنی اس کلاس میں مذہب محض دکھاوے کی حد تک موجود ہے۔ جب اس کے کم عمر بھتیجے سنی نے اپنا پہلا پارہ مکمل کیا تو اس کے سلسلے میں ان کے گھر میں ایک دعائیہ تقریب کا انعقاد کیا جاتا ہے جو تقریب سے زیادہ ایک عالیشان پارٹی کا منظر پیش کرتی ہے۔ اس تقریب میں سنی اپنے مولوی صاحب کی شرکت کے لیے خاصا بے تاب نظر آتا ہے۔ اور چونکہ مولوی صاحب علیل ہوتے ہیں۔ وہ نہیں آپاتے تو ان کی بیٹیوں کو بچے کی ضد پر اس پارٹی میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ ان کی بڑی بیٹی ایمان پر جب حماد کی نظر پڑتی ہے تو وہ دل و جان سے اس پر عاشق ہو جاتا ہے یہیں سے کہانی میں عشق مجازی کا سفر شروع ہوتا ہے، جو عشق حقیقی تک جاتا ہے۔

ناول کا ہیرو حماد امجد رضا ایمان سے عشق کے بعد دربدر ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے گھر کے عیش و آرام کو ٹھوکر مار کر گویا محبت فتح کرنے کے لیے نکلتا ہے۔ شاید اس لیے کہ ایمان کا باپ اس ناول میں ایک مصلح کے طور پر سامنے آتا ہے، جو حماد امجد رضا کو بار بار یہی کہتا ہے کہ اس کی اپنی کوئی حیثیت اور شناخت نہیں ہے۔ وہ اپنے باپ کا پروردہ ہے اور اپنے آپ کو اپنے باپ کے بغیر ثابت نہیں کر سکتا تو حماد امجد رضا جب گھر سے نکلتا ہے۔ یہاں دراصل وہ اپنی کردار کی سچائی کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے مولوی صاحب کی باتیں بار بار یاد آتی ہیں کہ وہ اپنے باپ پر انحصار کرتا ہے۔ اس کی الگ سے کوئی شناخت نہیں ہے۔ وہ اپنے وجود کو ایک اسلامی وجود کے طور پر منوا نہیں سکتا۔ وہ ایک بے دین شخص ہے وغیرہ وغیرہ۔ چوں کہ ایسی بات ہے حماد کو بہت پریشان کرتی ہیں اس لیے وہ اپنا گھر چھوڑ کر باہر نکل جاتا ہے اور وہ ایمان کو پانے کے لیے کسی حد تک جاتا ہے۔ اس بات کو وہ اپنے کردار کے ذریعے ثابت کرتا ہے۔ اس کردار کا سب سے بڑا وصف جو کہانی کے ذریعے ہمارے سامنے آتا ہے وہ اس کا حسن اخلاق ہے تصوف میں صوفی کی سب سے بڑی خوبی اس کا حسن اخلاق ہے کہ جس کی وجہ سے کائنات میں ہر شخص اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ لوگ اس کے حسن سیرت سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ یہ جب لندن میں جاتا ہے تو لوگ اس کردار کی بدولت دشمن بھی دوست میں تبدیل ہوتے نظر آتے ہیں۔ وہ بحیثیت مسلمان کئی لوگوں کو پسند نہیں آتا۔ مگر کئی لوگ اس کے گرویدہ بھی ہو جاتے ہیں۔

تصوف بھی محبت کا پیغام پہنچاتا ہے۔ تصوف کے نزدیک محبت ہی کائنات کی اصل ہے۔ محبت انسان کو ایک مرکز پر لا کر کھڑا کرتی ہے جس کا واحد نقطہ محبوب کی ذات کو حاصل کرنا ہوتا ہے اس ایک مرکز پر آکر انسان کی انا، ضد، غصہ، نفرت، عیش عشرت، دنیاوی چاہتیں، سب کچھ ختم ہو جاتا ہے اور اس کا محور صرف محبوب کی ذات رہ جاتی ہے۔ اسی محبوب کا حاصل اور حصول انسان کی زندگی کا پہلا مقصد بن جاتا ہے۔ انسان استغراق کے عالم میں ایک ہی فرد کو سوچتا رہتا ہے یا پھر خدا کو حاصل کرنے کی جستجو کرتا ہے۔ باطن کی آنکھ سے محبوب کو دیکھنے

اور دل کے کانوں سے محبوب کو سننے کی کوشش تصوف کا بنیادی طریقہ ہے۔ جب تک محبوب کا دیدار حاصل نہیں ہو جاتا عاشق کی بے قراری بڑھتی چلی جاتی ہے۔ جب انسان کو ایک دفعہ محبوب کا دیدار حاصل ہو جائے تو پھر اس کی نگاہیں مزید طلب کرتی نظر آتی ہیں انسان کی روح کبھی بھی عشق کی وجہ سے محبوب کی دیدار سے بھرتی نہیں ہے یہ آتش عشق ہے جو دیدار سے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ حماد اور ایمان کا ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہونا اور ایمان کا اس عشق لاحاصل میں جان گنوا دینا دراصل حماد کا تصوف کی جانب گامزن ہونے کا ایک ذریعہ ہے جب ایمان مر جاتی ہے تب حماد عشق حقیقی کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے۔

ناول میں حماد کا کردار ایک ایسے شخص کے طور پر سامنے آتا ہے، جس سے ہر قاری متاثر ہو جاتا ہے۔ وہ مزید پڑھائی کے لیے لندن جاتا ہے یہاں پر وہ جس یونیورسٹی میں داخلہ لیتا ہے وہاں کا صدر شعبہ معاشیات ایک یہودی آدمی ہے، جو حماد کو بری طرح سے اپنے نظریات میں پھنسالیتا ہے۔ یہیں پر ناول کا بنیادی تھیم یا نظریہ سامنے آتا ہے یعنی حماد اپنا مقالہ " نظریہ ہالوکاسٹ" پر لکھتا ہے۔ اس نظریے کے بارے میں یہودیوں کے سخت تحفظات ہیں ،جو سامنے نظر آتے ہیں ۔ سر آئزک کو یہ بات قابل قبول نہیں ہوتی کہ حماد اس نظریے پر بات کرے یا اس نظریے پر کچھ لکھا جائے۔ وہ حیلے بہانوں سے حماد کو جامعہ سے باہر نکلوا کر ہی دم لیتے ہیں۔ ان سب حالات کا سامنا کرنے کے باوجود حماد ایک مضبوط کردار کے طور پر سامنے آتا ہے۔ وہ اپنے حق کے لیے آواز بلند کرتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سر آئزک کی یہودی بیٹی اسلام قبول کر لیتی ہے۔ وہ حماد کے رویے سے متاثر ہو کر اسلام کا مطالعہ شروع کرتی ہے اور اپنے سوالات کے لیے حماد کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور یہاں تک کہ جامعہ کے باقی یہودی طلبہ و طالبات کے دلوں میں بھی اپنے مذہب کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ حماد اپنے کردار کے ذریعے ان سب کے ذہنوں پر اپنے اثرات مرتب کر دیتا ہے۔ اس کا حلیہ صوفی یا فقیر کی طرح نہیں ہوتا بلکہ اس کے اعمال اسے ایک صوفی اور اچھا مسلمان ثابت کرتے ہیں۔ سارہ جب مسلمان ہوتی ہے تو حماد سوچتا ہے کہ وہ اپنے عشق حقیقی میں سچی ہے۔ ناول کے الفاظ میں

> "کتنی حیرت کی بات ہے کہ میں نے مولوی علیم تک پہنچنے کے لیے مذہب کا سہارا لیا تھا
> مذہب کو ایک لڑکی تک پہنچنے کے لیے سیڑھی کے طور پر استعمال کیا تھا اس نے جو کچھ کیا
> سچے دل سے کیا اس کی کسی بھی محبت میں کوئی منافقت نہیں تھی نہ ہی میری محبت میں اور نہ
> ہی خدا کی محبت میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ دونوں محبتوں میں سچی تھی۔"(7)

ناول میں مرکزی کرداروں میں ہیروئن کا کردار روحانی اعتبار سے ہیروں سے زیادہ اچھا نظر آتا ہے۔ ناول کی ہیروئن نے مذہبی گھرانے میں آنکھ کھولی ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب تک مر نہیں جاتی، دین کے اصولوں سے منحرف نہیں ہوتی ۔ مجازی محبت اس کے لیے عشق حقیقی کی پہلی سیڑھی ثابت ہوتی ہے۔ اللہ کی محبت اس کے دل میں بہت زیادہ ہے، یہاں تک کہ اسے خالق حقیقی سے ملنے پر ہی سکون نصیب ہوتا ہے اور وہ مر جاتی ہے۔ وہ آخر دم تک اپنے باپ کی عزت پر کوئی سوال نہیں اٹھنے دیتی۔ ایمان نے دنیاوی محبت چھوڑ کر اللہ کی محبت کو ترجیح دی اس نے اپنے نفس پر قابو پا کر یہ ثابت کیا کہ انسان کے لیے اللہ کی محبت ہی سب کچھ ہے دنیا کی ہر چیز اللہ کی محبت کے آگے کمتر ہے

۔انسان دنیا کی محبت سے جتنا جلد چھٹکارا پالے اتنا اچھا ہوگا۔تصوف کی بنیاد اللہ کی محبت کو پانا ہے، جو شخص اپنے خالق و مالک کی محبت کو پالیتا ہے پھر اسے مزید کسی چیز کی تمنا نہیں رہتی کیونکہ یہی محبت نرالی اور انوکھی ہے جو انسان کو ایک مختلف طرح کی لذت سے آشنا کرتی ہے۔جب انسان اپنے خالق کی جانب رجوع کرتا ہے تو خالق انسان کے دل کو جس سرشاری سے بھرتا ہے وہی سرشاری ہمیں ایمان کے کردار میں نظر آتی ہے وہ اللہ کی محبت میں جان دے دیتی ہے اور اپنے عشق کو کامل ثابت کرتی ہے۔

ناول میں تصوف کے حوالے سے سب سے بڑا کردار صوفی مولوی رحمت اللہ کا نظر آتا ہے۔یہ کردار حماد کی مذہب کے حوالے سے رہنمائی کرتا ہے۔صوفی رحمت اللہ ایک ایسا کردار ہے جو حماد کی مذہب کے بارے میں سوچ کو تبدیل کر دیتا ہے۔اس سے پہلے اسے مذہب سے خوف محسوس ہوتا تھا لیکن صوفی رحمت اللہ اسے انسانوں کے اس خوف سے نکال کر بتاتے ہیں کہ کیسے انسان اتنے زیادہ گناہوں کے باوجود اپنے رب کی طرف رجوع کر سکتا ہے یعنی وہ حماد کی مختلف سوالوں، کا مذہب کے بارے میں سوچوں کا، نہ صرف تسلی بخش جواب دیتے ہیں بلکہ وہ اسے تلقین کرتے ہیں کہ وہ خدا کے سامنے حاضری لگوائے تاکہ وہ اللہ کے سامنے سرخرو ہو سکے وہ حماد کو بتاتے ہیں کہ مسجد جانا اور اللہ کے سامنے حاضر ہونا یہی کافی ہے باقی نیت اور نماز کا فیصلہ اللہ کرے گا تو اس طرح یہ کردار کئی متصوفانہ عناصر لیے ہمارے سامنے آتا ہے۔یہی کردار نماز کی طرف باقاعدہ رغبت دلانے میں مددگار ہوتا ہے۔وہ نماز کے بارے میں حمد کے کئی شکوک و شبہات کا ازالہ کرتے ہیں۔وہ بار بار یہی بتاتے ہیں کہ کوئی انسان کامل نہیں ہوتا بلکہ اس کے اعمال آہستہ آہستہ اسے کاملیت کی جانب لے جاتے ہیں۔اور اگر انسان خدا کی رضا کے لیے کام کرے تو وہ ایک دن خدا کا قرب پا ہی لیتا ہے۔مجموعی طور پر یہ ناول عشق حقیقی کو موضوع بناتا ہے۔

مقالہ کو طوالت سے محفوظ رکھنے کے لیے کئی اہم پاپولر فکشن نگاروں کا ذکر نہیں ہو سکا۔عالمی سطح پر ڈین براؤن کا ناول "دی ڈی ونچی کوڈ"(The Da Vinci Code) بہت مقبول رہا ہے۔اس میں صدیوں قدیم خفیہ معاشرے میں تصوف کی بنیادیں دکھائی دیتی ہیں۔نیو کلس اسپارک(Nicholas Sparks) کا ناول نوٹ بک دراصل تصوف کی کتاب معلوم ہوتی ہے۔پاؤلا کا ناول "دی گرل آن ٹرین" (The Girl on the Train) ایک بہترین نفسیاتی ناول ہے جس میں تینوں خواتین کرداروں نے مردوں کی زبردستی اور کنٹرول کی کتھا پیش کی ہے۔ (Forty Rules of Love) کا معروف ترجمہ ہما انور نے "چالیس چراغ عشق کے" کے عنوان سے کیا۔اس ناول میں جلال الدین رومی کا مقبولِ عام تصوف اپنے نظاروں سے قاری کو اپنا گرویدہ بنالیتا ہے۔اس کے علاوہ وطنِ عزیز میں بھی علیم الحق کا ناول "عشق کا عین"، ہاشم ندیم کا تحریر کردہ ناول "عبداللہ" سے زیادہ پڑھا جانے والا ناول ہے۔عمیرہ احمد کا مقبولِ عام ناول "پیرِ کامل" تصوف کی جزئیات کا حامل ہے۔نمرہ احمد کا نام مقبولِ عام فکشن میں "میرے خواب میرے جگنو" سے ہوا۔اگر دیکھا جائے تو ان سے قبل اشفاق احمد نے "من چلے کا سودا" لکھ کر اس میدان میں تخلیقی جوہر دکھائے۔بانو قدسیہ کا ناول "راجہ گدھ" نفسیاتی مسائل کو لیے مقبول رہا۔ممتاز مفتی نے ۱۹۶۱ء میں "علی پور کا ایلی" لکھ کا

شہرتِ عام حاصل کی۔ متذکرہ فکشن نگاروں نے بھی اپنے ناولوں میں تصوف کو نمایاں طور پر پیش کیا ہے۔ معاصر نوجوان ناول نگاروں میں منیب مظہر کا ناول "زندگی" پاپولر رہا ہے۔ ان کے کرداروں میں مکالمات میں بھی تصوف کا رنگ دیکھا جا سکتا ہے۔

پاپولر فکشن نگاروں نے ایسے موضوعات کا انتخاب کیا، جو خالصتاً مذہبی نوعیت کے تھے۔ اس کا مقصد محض متصوفانہ خیالات کو اپنی تحریروں میں پیش کر کے شہرت حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ انھوں نے زندگی کے کئی حقائق کو تصوف کے لبادے میں پیش کیا ہے، جس سے نئی نسل کی ایک بڑی تعداد متاثر بھی ہے۔

حوالہ جات وحواشی:

1۔ جے۔اے۔ کڈن، (J.A. cuddon): اے ڈکشنری آف لٹریری ٹرم، (یو۔کے۔ پینگوئن بکس، 1998ء) ص1182

2۔ اوکسفرڈ ایڈوانس ڈکشنری آف کرنٹ انگلش، (اوکسفرڈ: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، 2010ء)، ص40

3۔ ابو سعید: اسلامی تصوف اور اقبال، (لاہور: اقبال اکادمی، 1977ء)، ص153

4۔ علیم الحق حقی: عشق کا شین (حصہ دوم)، (لاہور: خزینہ علم وادب، 2014ء)، ص204

5۔ ایضاً، ص117

6۔ ایضاً، ص371

7۔ ہاشم ندیم: خدا اور محبت، (لاہور: دعا پبلی کیشنز، 2011ء)، ص276

ماخذات:

جے۔اے۔ کڈن، (J.A. cuddon)، اے ڈکشنری آف لٹریری ٹرم، یو۔کے: پینگوئن بکس، 1998ء

اوکسفرڈ ایڈوانس ڈکشنری آف کرنٹ انگلش، اوکسفرڈ: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، 2010ء

ابو سعید، اسلامی تصوف اور اقبال، لاہور: اقبال اکادمی، 1977ء

ہاشم ندیم، خدا اور محبت، لاہور: دعا پبلی کیشنز، 2011ء

علیم الحق حقی: عشق کا شین (حصہ دوم)، لاہور: خزینہ علم وادب، 2014ء